رسائل و مسائل

والدین کے حقوق

میرا تعلق ایک مذہبی گھرانے سے ہے۔ جن کا مسلک دیوبند ہے' میرے والد صاحب تقریباً ۲۵ سال امام رہے۔ میرے بڑے بھائی ایم اے ایل ایل بی ہیں۔ میں جیسے جیسے جماعت کے نزدیک آیا۔ مجھے اسلام کو سمجھنے کا موقع ملا۔ لیکن ساتھ ہی ساتھ گھر میں میرے لیے مشکلات پیدا ہوتی چلی گئیں۔ یہاں تک کہ گھر والوں نے جماعتی رابطے ختم کرنے کا حکم دیا۔

میں ایک دن گھر والوں کو صرف مطلع کر کے ۷ روزہ تربیت گاہ میں شامل ہو گیا۔ سات روز کے بعد جب گھر پہنچا تو ایک طوفان کھڑا ہو گیا۔ والد صاحب اور بڑے بھائی نے بولنا چھوڑ دیا۔ بلکہ والد صاحب نے دو لفظی فیصلہ سنا دیا کہ یا تو تم جماعت کو چھوڑ دو یا ہمیں چھوڑ دو۔ میں فوری جواب میں صرف اتنا کہہ سکا کہ "میرے لیے جماعت چھوڑنا ناممکن ہے"۔ انھوں نے کہا کہ تم ہمیں چھوڑ دو گے اور پھر انھوں نے بالکل بولنا چھوڑ دیا۔ میں ۳ روز تک مسلسل والد صاحب سے معافی مانگتا رہا مگر انھوں نے معافی دینے سے انکار کر دیا (بعد میں آہستہ آہستہ انھوں نے بولنا شروع کر دیا) وہ کہتے ہیں کہ ہم تمھیں نماز روزے سے نہیں روکتے۔ نیک کام سے نہیں روکتے۔ لیکن ہم تمھیں کسی جماعت میں خصوصاً جماعت اسلامی میں شامل ہونے کی اجازت نہیں دیتے۔ اسی وجہ سے گھر کا ماحول کشیدہ ہے۔ مجھ سے چھوٹا اپنے آج کے دور کے دوستوں کے ساتھ رہتا ہے۔ اکثر نماز نہیں پڑھتا (خصوصاً فجر کی نماز) ہر وقت گانے سنتا ہے حتیٰ کہ سب گھر والے ٹی وی پر ڈرامے اور فلم' چترہار شوق سے دیکھتے ہیں۔ جب میں انھیں کہتا ہوں کہ یہ تمام چیزیں غلط ہیں' آپ انھیں چھوڑ دیں تو میں جماعت کو چھوڑ دوں گا' تو وہ کہتے ہیں کہ تم ہم سے بدلہ لو گے۔ تم ہم سے پیدا ہوئے ہو ہم تم سے نہیں۔ ٹی وی' وی سی آر تو بڑے بڑے مولوی اور علما کے گھر ہیں۔ خود تمھاری جماعت کے بڑے بڑے "لیڈروں" کے گھر میں چلتے ہیں۔ انھیں منع کرو۔

میں ان حالات میں بہت پریشان ہوں۔ ہر وقت ذہنی دباؤ کا شکار رہتا ہوں۔ اگر ان کی نافرمانی

کردوں تو وہ کہتے ہیں کہ تم جنت سے دور جا رہے ہو کیونکہ ہم تمھیں کفر پر مجبور نہیں کر رہے اس لیے تم ہماری مانو۔ اگر نہیں مانتا تو جگ ہنسائی بھی ہوتی ہے اور گھر کا ماحول بھی خراب ہوتا ہے (میرے گھر والوں کو سوائے جماعت اسلامی کے مجھ سے کوئی شکایت نہیں ہے) میں اپنے گاؤں کا ناظم ہوں۔ الحمدللہ کام بھی صحیح ہو رہا ہے (میں پیشے کے لحاظ سے ایک پرائمری ٹیچر ہوں) میں ناظم زون سے التجا بھی کر چکا ہوں کہ آپ مجھے ناظم نہ بنائیں بلکہ کسی اور کو بنائیں مگر ان کا مطالبہ تو یہ ہے کہ تم رکن ہو۔ اگر استصواب رائے ہو تو تب بھی مجھے ناظم منتخب کر لیتے ہیں۔ میں نے سوچا کہ مستعفی ہو کر گھر بیٹھ جاؤں مگر ضمیر ملامت کرتا ہے۔

اب آپ شریعت کے حوالے سے یہ بات بتائیں کہ میرے والد صاحب کا مطالبہ کہاں تک درست ہے؟ میرا جواب کہیں ان کی نافرمانی تو نہیں تھا؟ میں نہ ان کو چھوڑ سکتا ہوں نہ ہی جماعت کو' اس صورت میں میرا جواب کیا ہو؟ اگر خدانخواستہ ایسے حالات ہوں کہ وہ بہت زیادہ سختی سے فیصلہ چاہیں تو کیا شریعت اجازت دیتی ہے کہ میں گھر چھوڑ دوں یا پھر جماعت چھوڑ دوں؟ کیا میں ٹی وی وغیرہ سے پرہیز کے لیے مطالبہ کر سکتا ہوں؟ اگر ناظم زون مجھے نظم سے علیحدہ کر کے بطور رکن کام نہ لیں اور کارکنان بھی اپنی رائے میرے حق میں دیں' میں پھر بھی ذمہ داری نہ قبول کروں بلکہ گھر بیٹھ جانے کی بات کروں تو کیا اللہ تعالیٰ اس پر گرفت تو نہ کرے گا۔

دینی فرائض کی ادائیگی میں اگر دو فرائض کے درمیان بظاہر تنازع پیدا ہو جائے تو مشکل صورت حال پیدا ہو جاتی ہے۔ اس مشکل کو حل کرنے کے لیے ضابطوں کے ساتھ حکمت کی بھی ضرورت ہوتی ہے۔

اقامت دین' امر بالمعروف اور نہی عن المنکر اور دعوت و تبلیغ کے لیے بحد استطاعت کوشش کرنا ہر مسلمان کا فرض ہے۔ یہ اللہ اور اس کے دین کا حق ہے جو اس کے اوپر عائد ہوتا ہے۔ یقیناً آپ نے جماعت اسلامی میں شرکت اس لیے اختیار کی ہے کہ آپ اس فرض کی ادائیگی' اور ادائیگی کے لیے اجتماعی سعی و جہد کے ناگزیر ہونے پر مطمئن ہیں۔ والدین کے حقوق بھی دینی فرائض میں اتنے اہم فرائض ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حق کے بعد انھی کے حق کی تاکید فرمائی ہے (سورۃ لقمان ۳۱: ۱۴)۔

اگر ان دونوں فرائض کی ادائیگی کے درمیان تصادم و کشمکش ہو جائے تو آدمی کیا کرے؟ ایک اصول تو بالکل واضح ہے کہ کسی مخلوق کی ایسی اطاعت نہیں کی جا سکتی جس سے خالق کی معصیت ہوتی ہو۔ دوسرا اصول' ایسی ہی صورت حال میں' قرآن میں بیان کیا گیا ہے کہ اگر والدین "میرے ساتھ کسی کو شریک کرنے کے لیے مطالبہ کریں اور دباؤ ڈالیں' تو ان کا کہنا مت مانو"۔ (لقمان ۳۱: ۱۵۔ العنکبوت ۲۹: ۸)

لیکن ظاہر ہے کہ جماعت اسلامی میں شمولیت سے روکنے کے لیے دباؤ' شرک کے لیے دباؤ کے برابر تو ہرگز نہیں۔ان دو راہ نما اصولوں کے بعد 'ہمیں مزید راہ نمائی اس بنیادی اصول سے ملتی ہے کہ اگر ایک معروف کی تعمیل سے زیادہ بڑے معروف کا ترک لازم آتا ہو' یا ایک منکر کے ترک سے دوسرا بڑا منکر پیدا ہوتا ہو' تو اس معروف کی تعمیل اور اس منکر کے ترک سے اجتناب جائز اور صحیح ہے۔اپنے رسالہ حقوق الوالدین میں مولانا اشرف علی تھانویؒ لکھتے ہیں: اگر سفر فرض و واجب نہ ہو' اور والدین اس سفر سے منع کریں' تو ان کے کہنے سے سفر نہ کرنا ضروری نہیں (یہ مسئلہ درمختار اور عالمگیری میں موجود ہے)۔اگر سفر فرض اور واجب ہو تو بطریق اولیٰ یہ حکم ہوگا۔یہ اس صورت میں ہے کہ والدین اپنی ضروری خدمت کے لیے محتاج نہ ہوں۔مذکورہ صورتوں میں والدین کو کوئی رنج و تکلیف ' واقعی اور قابل اعتبار نہیں۔اس لیے اس صورت میں والدین کے خلاف کام کرنا درست ہے' نہ حرام نہ مکروہ۔

اسی طرح اگر والدین کو ضروری حاجت نہ ہو' تو ان کے حکم سے اپنا زائد مال دینا ضروری نہیں۔ والدین اگر' بغیر احتیاج خدمت' نوافل پڑھنے کو منع کریں تو اس صورت میں ان کا کہنا ماننا ضروری نہیں۔اگر والدین حقہ تیار کرنے کی فرمائش کریں (حقہ پینا سخت مکروہ تنزیہی ہے) تو اولاد پر اس کہنے پر عمل کرنا ضروری نہیں۔بلکہ ایک فعل مکروہ کا مرتکب ہوتا ہے جو شرعاً مذموم ہے۔اگر کسی کی بیوی سے کوئی واقعی رنج اور تکلیف والدین کو نہ پہنچتی ہو' اور وہ خواہ مخواہ حکم دیں کہ تم اپنی بیوی کو طلاق دو' تو اس حکم کی تعمیل ضروری نہیں۔اس صورت میں طلاق دینا عورت پر ایک طرح کا ظلم کرنا ہے' خواہ مخواہ طلاق دینا ظلم اور مکروہ تحریمی ہے۔نکاح تو وصال کے لیے موضوع ہے' یہ فراق بلاوجہ کیسے روا ہو سکتا ہے (فتح القدیر)۔

والدین کسی مستحب کام سے روکیں' اور اپنی کسی ضروری حاجت (واقعی اور معتبر) کی وجہ سے روکیں' تو ان کے حکم کی تعمیل واجب ہے۔خواہ مخواہ روکیں تو واجب نہیں ہے۔

حدیث میں ہے کہ والدین کے ساتھ نیکی کرنا' افضل ہے نماز سے اور روزے سے اور حج سے اور عمرے سے اور جہاد سے راہ خدا میں: یہ حدیث ثابت نہیں اس لیے قابل اعتبار نہیں (شوکانی: فوائد مجموعہ)۔اور قاعدہ شرعی کے خلاف بھی ہے۔

اولاد نافرمان جب ہی ہوگی جب ان کے حقوق ضروریہ ادا نہ کرے۔پس والدین کی اطاعت اور رضاجوئی کا حکم مطلقاً نہیں۔جن امور میں اطاعت والدین شریعت نے لازم کی ہے' ان امور میں کوتاہی نہ کرے۔باقی سب کام شرع کے موافق کرنا جائز ہیں۔

بیوی پر شوہر کی اطاعت بدرجہ اولیٰ واجب ہے لیکن اس کے سلسلے میں وہ لکھتے ہیں: فساد سے بچنے کے لیے' جائز اور مکروہ تنزیہی امور میں اس کی اطاعت کر سکتی ہے۔ ہاں فرض ' واجب و سنت موکدہ کو اس کے کہنے سے نہیں چھوڑ سکتی۔ بغیر شوہر کی اجازت کے کسی بزرگ سے بیعت ہونا جائز ہے۔ ہاں کسی فساد کا اندیشہ ہو تو اس فساد کو رفع کرنے کی وجہ سے یہ جائز ہے کہ بیعت نہ ہو۔ مگر 'اگر باہمت ہو تو اللہ کے بھروسے پر بیعت ہو جائے۔ لیکن پھر کوئی رنج اس وجہ سے پیش آئے تو صبر کرے ' ناشکری نہ کرے۔

مولانا تھانوی کا مقام محتاج بیان نہیں۔ کیونکہ آپ کے والد دیوبندی مسلک کے ہیں' ۲۵ سال سے امام ہیں' اس لیے ان کا فتویٰ بدرجہ اولیٰ ان کے لیے حجت ہونا چاہیے۔ آپ چاہیں تو مولانا تھانوی کا رسالہ حقوق الوالدین کہیں سے حاصل کر کے پڑھ لیں۔

اقامت دین اور دعوت و تبلیغ کے کام کو آپ کے والد صاحب واجب نہ بھی تسلیم کریں' تو بھی اس کے سنت موکدہ ہونے میں کیا کلام ہو سکتا ہے۔ اسی طرح جماعت میں شمولیت 'کم سے کم' کسی بزرگ کی بیعت سے بہت مختلف یا کم تر چیز تو نہیں۔

اب آپ خود فیصلہ کر سکتے ہیں کہ والدین کی اطاعت کی خاطر جماعت اور جماعت کے کام کو ترک کرنا کس طرح جائز ہو سکتا ہے۔ اس معاملے میں ان کا کہنا نہ ماننا کسی طرح بھی ان کی نافرمانی نہیں قرار دیا جا سکتا' جیسا مولانا تھانوی نے اس سے کم تر درجے کے کاموں کے بارے میں واضح کیا ہے۔

یہ تو ہیں قواعد و ضوابط۔ لیکن معاشرت میں قواعد و ضوابط کے ساتھ احسان ' نرمی ' رحمت اور حکمت کی چاشنی بھی ناگزیر ہے۔ اس لیے آپ 'یا کوئی اور ' صرف ان قواعد و ضوابط کے حوالے دے دے کر معاملات کریں گے تو معاشرت میں فساد پیدا ہو سکتا ہے۔

اس سلسلے میں پہلی بات تو یہ ہے کہ "کہنا ماننا ضروری نہ ہونے" اور "کہنا نہ ماننا ضروری ہونے" میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ اس لیے یہ ضروری نہیں 'بلکہ مستحسن و مطلوب نہیں' کہ جہاں ماننا ضروری نہیں' وہاں آپ لازماً نافرمانی کریں۔ واجبات شرعی اور حق تلفی کے علاوہ' ہر کام میں اجازت لینا' اطلاع دینا' اور کوئی ضرر نہ ہو تو ضرور کہنا ماننا یہ ضروری بھی ہے اور آپ کے مقصد کے لیے مفید بھی۔

دوسری بات وہی ہے جو قرآن نے واضح طور پر بیان کر دی ہے کہ کہنا نہ مانو مگر دنیا میں ان کے ساتھ معروف کے مطابق معاشرت رکھو۔ بلکہ آپ کے حالات میں اس سے بڑھ کر۔ جتنی نرمی' عاجزی' تابع داری اور خدمت کر سکیں' وہ کریں۔ اور کوئی بھی غیر ضروری نزاع اور جھگڑا مول نہ